علمی و تحقیقی مجلہ "محاکمہ" یونیورسٹی آف سیالکوٹ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"افتادگان خاک" اور نو آبادیاتی نظام کے اثرات

The Wretched of the Earth and effects of Colonialism

فائیزہ عروج

Faiza Urooj

PHD Scholar, GCW University, Sialkot

Abstract: Slavery is creating a history in itself till the achievement of national independence. Which present their social, cultural, political and economic aspects as an example to the world? A similar independence movement arose in Algeria and led to the end of French colonialism. The oppression and brutality that exists in the colonial system was tried on the people of Algeria. Mujahedeen sacrificed millions of lives and stood on their front. Finally, the French colonialism could not withstand the guerilla attacks and after one hundred and thirty-two years of independence war, Algeria got rid of the colonial system.Franz Fanon was a Marxist intellectual and revolutionary. His politics started as a reaction against apartheid, he realized the social truths through his struggle and resistance. In "The Wretched of the earth" the oppressed and underprivileged people and societies of the third world have been made the subject. This book was written during the period when he was there to help the Algerian Mujahedeen.Franz Fanon has pointed out the specific ideas of the colonial Western intellectuals and the facts of their mental and intellectual thoughts in an excellent way. The humanistic 'attitude' of the colonial system exploded. He created a revolutionary wave among the local people by raising the voice of resistance against racism and nationalism, oppression and violence and colonialism. Franz Fanon also wrote useful suggestions for anti-colonialism in this book which are useful in reducing the effects of colonialism.

Keywords: Colonialism, Algerian Independence Movement, racism, Violence, Revolution

کلیدی الفاظ: نو آبادیت، تحریک آزادی الجزائر، نسل پرستی، تشدد، انقلاب

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

عہد قدیم سے الجزائر افریقہ کا حصہ رہا ہے جس پر "غنوشی" حکمران تھے۔ یہ نویں صدی قبل مسیح کا زمانہ ہے۔ 146ء ق م میں کارتھیج اہل روما کے ہاتھوں تباہ ہوا جس کے بعد پورے شمال افریقہ پر روم کا تسلط قائم ہوا۔ وہ علاقہ جو آج الجزائر کے نام سے موسوم ہے اس زمانہ میں نو میدیا کہلاتا تھا۔ رومیوں کے انحطاط کے بعد ہسپانیہ کے وندلوں (Vandals) نے ایک سو سال تک یہاں حکومت کی۔ اس کے 33ء میں یہ بازنطینی سلطنت کے حدود میں شامل کیا گیا۔

شمالی افریقہ کو بازنطینی تسلط سے 670 ء آزادی ملی، جبکہ الجزائر، مراکش، تیونس اور لیبیا پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور شمالی افریقہ کی پوری آبادی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔ تیرھویں صدی عیسوی کے آخر تک مراکش، تیونس اور الجزائر پر فاطمیین اور المواحدین حکومتوں کا قبضہ رہا۔ اس زمانہ میں الجزائر مغرب وسطیٰ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ 1553ء میں خیر الدین بربوسہ نے الجزائر کو سلطنت عثمانیہ کے تحت کیا، اسی زمانہ میں مغرب وسطیٰ کا نام الجزائر پڑا اور اس ملک نے ایک علیحدٰہ حیثیت حاصل کی۔ انیسویں صدی کے اوائل تک الجزائر کو اپنے محل وقوع اور مرکزیت کی وجہ سے بین الاقوامی اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ فرانس، برطانیہ اور امریکہ سے اس کے تجارتی اور معاہداتی تعلقات تھے۔ لیکن 1830ء میں فرانس نے بلاوجہ ایک معمولی بہانہ تراش کر الجزائر پر تیس ہزار فوج سے حملہ کر دیا۔ چھ سو سمندری جہاز اس کے ساحل پر اتارے گئے۔ الجزائر کے ترک گورنر ہتھیار ڈال دیے۔

> "یہ جنگ فرانس اور الجزائر کی قومی آزادی کے محاذ کے درمیان 1954ء سے 1962ء تک لڑی گئی، یہ بڑی پر تشدد جنگ تھی۔ شمالی افریقہ کے ملک الجزائر پر 1830ء میں قبضہ کیا گیا، اس جنگ میں وہ حربے بھی استعمال کیے گئے جو گوریلا جنگ میں اختیار کیے جاتے ہیں۔ یہ خانہ جنگی کی صورت بھی اختیار کر گیا۔ یہ جنگ زیادہ تر الجزائر کے علاقوں میں لڑی گئی"(1)

فرانسیسیوں کے خلاف ملک میں مختلف تحریکیں اٹھیں لیکن ہمہ گیر بغاوت کی شکل اختیار نہ کر سکیں۔ فرانسیسیوں نے اپنے ظلم اور بربریت سے آزادی کی ہر جدوجہد کو کچل دیا۔ الجزائر کی آبادی ایک کروڑ دس لاکھ ہے۔ بحر روم کے کنارے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

واقع ہونے کی وجہ سے اس کی آب وہوا یورپ کے جنوبی ممالک کے جیسی ہے، یہاں کی معدنی پیداوار جس، فاسفورس، کوئلہ، لوہا، پٹرولیم اور میگنیز ہیں۔ ملک کے زرخیز ترین علاقے فرانسیسیوں کے قبضہ میں تھے۔

ایک سامراجی حکومت اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے جو بھی جتن کرتی ہے۔ فرانس نے وہ ساری تدابیر یہاں اختیار کی تھیں۔ الجزائری بنیادی اور شہروں حقوق سے محروم تھے۔ ان کی زبان ان کے رسم ورواج، ان کی تہذیب وثقافت اور مذہب پر فرانسیسی حکومت نے اتنے قید وپابندیاں عائد کر رکھی تھیں کہ لوگ ثقافتی عادات واطوار اثرت سے بیگانہ ہونے لگے تھے۔ مغربی تہذیب وتمدن خصوصاً عیش پرستی، شراب نوشی اور جنسی آوارگی کو حکومت کی سرپرستی میں فروغ حاصل ہو رہا تھا۔

الجزائر ایک پہاڑی ملک ہے۔ ان پہاڑوں کے نشیب وفراز، اس کی وادیاں اور دشوار گزار راستے مجاہدین آزادی کے محفوظ اڈے بن گئے تھے۔ الجزائر کے مغرب میں مراکش اور مشرق میں تیونس اور لیبیا واقع تھے۔ مراکش اور تیونس پر بھی فرانس کا قبضہ تھا۔ اور یہاں بھی آزادی کی تحریکیں چل رہی تھیں۔ لیکن ان میں وہ شدت پیدا نہیں ہوئی تھی جو الجزائر میں تھی۔ فرانس کے لیے بیک وقت ان تینوں شمالی افریقہ کے ملکوں سے برسرپیکار رہنا ناممکن تھا اس لیے اس نے 1959ء میں مراکش اور تیونس کو آزاد کر دیا اور اپنی پوری قوت الجزائر کی تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے محفوظ کر دی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد تک الجزائر کے باشندوں کے لیے کوئی آئین نہیں تھا اور نہ انھیں رائے دہی کا حق حاصل تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے اختتام کے بعد دنیا میں سامراجیت کے خلاف ایک طوفان برپا ہوا۔ اکثر ممالک جو صدیوں سے سامراجی نظام کا شکار تھے آزادی کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ الجزائر میں بھی تحریک آزادی نے زور پکڑا۔ فرانسیسی الجزائر میں ایسی تحریک کو پروان چڑھتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انھوں نے ابتدا ہی سے اس کو کچلنے کی کوشش کی۔ امیر خالد نے فرانس کے پنجوں سے الجزائر آزاد کرانے کے لیے ایک منظم تحریک شروع کی تھی۔ 1945ء میں ایک بڑے جلوس پر گولی چلا کر فرانس کی حکومت نے ظلم اور بربریت کی انتہا کر دی۔ (45) ہزار الجزائری باشندوں کا قتل عام کیا گیا۔ ان کی آبادیوں کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا اس ظلم اور سفاکی نے اہل ملک کی آنکھیں کھول دیں۔ نوجوانوں نے اپنی ملک کی آزادی کے لیے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا اور محمد بن بیلا کی سرکردگی میں قومی محاذ آزادی (N.L.F) کی خفیہ جماعت قائم ہوئی۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

یکم نومبر 1945ء کو جنگ آزادی کی ابتداء ہوئی۔ (70) مقامات پر بیک وقت مسلح حملہ کیا گیا جس نے فرانسیسی حکومت کو دم بخود کر دیا۔ گوریلوں نے فوجی اڈوں، پولیس کی چوکیوں، گولہ بارود اور پٹرول کے ذخیروں کو سب سے پہلے اپنے حملہ کا نشانہ بنایا۔ ریل، تار، ٹیلیفون اور ریڈیو کے سلسلوں کو کاٹ دیا گیا اور آمد و رفت کے پلوں کو تباہ کیا گیا۔ اس حملہ کے بعد اس مسلح انقلاب کو کچلنے کے لیے حکومت فرانس نے زبردست فوج لگائی۔ ہوائی جہاز، جٹ بمبار، توپخانہ، مشین گن اور کیمیائی بم (Napalm) تک مقامی آبادیوں پر برسائے، جانبازوں کی تلاش میں فرانسیسی فوج دیہاتوں اور آبادیوں کا محاصرہ کر لیتی تھی اور تلاشی کے دوران نوجوانوں کو بلا امتیاز گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا۔ گھروں کو جلا دیا جاتا، عورتوں کی آبروریزی کی جاتی، بچوں کو قتل کیا جاتا اور کوئی ایسا ظلم نہ ہوتا جو آبادی پر نہ ڈھایا جاتا ہو۔

ابتدا میں جب پہلا مسلح حملہ کیا گیا گوریلوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کے پاس کسی قسم کا ہتھیار نہیں تھا۔ لیکن پہلا حملہ جو اچانک کیا گیا اس میں فرانسیسی فوج کا بہت سا ہتھیار ہاتھ لگا۔ فوج کی نفری تعداد میں بھی اضافہ ہونے لگا اور دو تین سال کے عرصہ میں گوریلوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ دارالخلافہ الجیرس اس کے نواحی علاقوں اور بڑے بڑے شہروں میں بھی مسلح انقلاب کے شعلے بھڑک اُٹھے تھے۔ اس مسلح انقلاب کو منظم کرنے میں قومی محاذ آزادی نے بڑا کام کیا۔ الجزائر کی پوری آبادی نے فرد واحد کی طرح فرانس کی حکومت اور فرانسیسی باشندوں کا بائیکاٹ کیا۔

ویتنام کے جانبازوں سے شکست اُٹھانے کے بعد فرانس الجزائر کے ہاتھوں ایک دوسری شکست کھانے تیار نہ تھا۔ اس سے اس کا بین الاقوامی وقار خاک میں مل جاتا۔ چنانچہ اس انقلاب اور مسلح کشمکش کو روکنے کے لیے اس نے اپنی پوری فوجی قوت کو الجزائر میں جھونک دی۔ یہ جانتے ہوئے کہ جانبازوں نے پہاڑی علاقوں کو اپنے مراکز بنا لیے ہیں۔ فرانسیسی فوج نے شہری آبادیوں اور نہتے باشندوں پر بڑے لرزہ خیز مظالم کیے تاکہ الجزائری قوم ہی نابود ہو جائے نہ صرف آبادیوں پر اندھا دھند بمباری کی جاتی تھی بلکہ ان کے گھروں، جائدادوں اور غلہ کے ذخیروں کو تباہ تاراج کر دیا جاتا تھا۔ شبہ پر یا گوریلوں کی تلاش میں بوڑھوں اور عورتوں تک کو ایسی اذیت ناک مصائب میں مبتلا کیا جاتا تھا کہ ان واقعات کو سُن کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خود فرانس کے اندر وہاں کے دانشوروں نے اپنی حکومت کے خلاف ایک زبردست محاذ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

قائم کیا جس میں شہرۂ آفاق مصنف سارترے کا نام سب سے پیش پیش ہے۔ اس مُصنف کو اپنا ملک چھوڑ کر سوئٹر لینڈ میں پناہ لینی پڑی لیکن اس نے گوریلوں کی امداد سے دریغ نہیں کیا۔ اپنی کثیر دولت بھی اس نے اس کام کے لیے وقف کر دی تھی۔

الجزائر کے باشندوں پر ظلم کے نئے نئے طریقے اختیار کیے گئے۔ ان میں سب سے زیادہ برقی رو کا جسم کے نازک حصوں میں دوڑانا ہے۔ ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگ زندہ جلا دیے گئے یا انھیں پولیس کے بھوکے کتوں کا لقمہ بنایا گیا۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ فرانسیسی فوج کا سلوک انتہائی سفاکانہ ہوتا تھا۔ جیلوں اور فوجی کیمپوں میں اُن قیدیوں کی تعداد جو شبہ پر گرفتار کیے گئے تھے ہزاروں سے تجاوز کر گئی تھی۔ الجزائر کے طول و عرض میں ایسے ممنوعہ علاقہ قائم کیے گئے تھے جہاں مقامی باشندے قدم نہیں رکھ سکتے تھے اور خلاف ورزی کرنے والے کو گولی سے اڑا دیا جاتا تھا۔

N.L.F (National Liberation Front) کے گوریلوں نے اپنے ملک کو فرانسیسی تسلط آزاد کرانے کے لیے جس سر فروشی، جانبازی، ایثار اور قربانی کی مثالیں پیش کی ہیں وہ تاریخ حریت کا ایک زریں باب ہیں۔ الجزائر کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کے کم از کم ایک فرد نے مادرِ وطن کے لیے اپنی جان قربان نہ کی ہو۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس جنگ آزادی میں ڈیڑھ لاکھ الجزائریوں نے جام شہادت نوش کیا۔

> "الجزائر کی تحریک آزادی کو ان قوتوں نے بھی بیسویں صدی کی ماڈل تحریک قرار دیا تھا جنھوں نے ہر دور میں اپنے حق آزادی کے لیے جد وجہد کرنے والوں کو دہشت گرد کہا۔۔۔۔ فرانس نے یورپ اور امریکہ کو یہ باور کرانے کی بھرپور کوشش کی کہ فرانس صرف اپنی نہیں بلکہ پورے مغرب کی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔ فرانس نے یہ بھی واویلا کیا کہ اگر مسلم ریاستیں ایک ایک کر کے آزاد ہو گئیں تو اسلام دوبارہ غلبہ حاصل کر کے مغرب کے لیے خطرہ بن جائے گا"(2)

گوریلوں نے فرانس کی جدید ترین فوج سے ابتدا میں گوریلا طرز کی جنگ لڑی۔ ان کی توجہ زیادہ تر فوجی اڈوں مواصلاتی نظام اور دشمن کی نفری قوت کے ضائع کرنے پر مرکوز رہیں۔ یکم نومبر 45ء ہی کے حملہ میں انھوں نے دشمن سے پہلی مرتب ہتھیار چھینا اور اسی سے انھوں نے فرانسیسی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ بعد میں ان کے پاس جدید ترین ہتھیار آئے اور وہ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

موجودہ جنگ کی تکنیک سے واقف تھے۔ جنگ کے آخر زمانہ میں جابجا دشمن سے ایک باقاعدہ فوج کی طرح مقابلہ کر کے اس کو پسپا کیا۔ یہی وہ موخر الذکر صورت حال تھی جس نے حکومت فرانس کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا کیونکہ گوریلوں نے دشمن کی فوج کی ایک بہت بڑی تعداد کو ہلاک کر دیا تھا جس سے فرانس کے بہت سے خاندان بے چراغ ہو گئے تھے۔ خود ان کے ملک کی رائے عامہ اس جنگ کے خلاف ہو گئی تھی جس سے فرانس کی معیشت اور اقتصادی حالت مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔

N.L.F کی گوریلا فوج کے مقابلہ کی فرانسیسی فوج میں طاقت نہیں تھی دشمن کو جب بھی گوریلا غافل دیکھتے ٹوٹ پڑتے تھے اور اس کی نفری قوت کو جتنا نقصان پہنچانا ہوتا پہنچا کر برق رفتاری سے اپنے پہاڑی پناہ گاہوں میں چھپ جاتے تھے۔ فرانس کی فوج کو ان کا پتہ چلانا مشکل تھا۔ گوریلوں کے بعض علاقہ ایسے محفوظ تھے کہ فرانسیسی پیدل فوج داخل ہونے کی ہمت نہیں کرتی تھی اور جہاں تک فوجی ٹرکیں جاسکتیں تھیں وہ جا کر ناکام واپس ہو جاتی تھی۔ اس لیے کہ پہاڑ کے اندر غاروں اور ناقابل عبور مقامات پر N.L.F نے اپنے فوجی اڈے قائم کیے تھے جن کی حفاظت کا بھی انھوں نے پورا اہتمام کیا تھا۔

اپنی فوجی مہم کو ناکامی سے بچانے کے لئے فرانسیسی فوجوں نے ہیلی کاپٹروں کا استعمال شروع کیا کیونکہ جٹ اور دوسرے ہوائی جہاز ان علاقوں میں اپنی افادیت کھو چکے تھے، فرانسیسی فوج کو سب سے بڑی مشکل یہ پیش آرہی تھی کہ اس کے دشمن کے اڈوں کا پتہ لگانا ناممکن ہوتا تھا۔ کیمپ کے ارضی حالات ان کے لئے ناموافق تھے اور وہاں کے پہاڑی علاقے ان کے لیے دشوار گزار۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہیلی کاپٹروں کی مدد سے اس قسم کے پہاڑی دشوار گزار علاقہ میں فوجی کارروائی کرنے میں آسانیاں ہوتی ہیں لیکن الجزائر گوریلوں کے عزم اور ہمت میں ذرا بھی فرق پیدا نہیں ہوا بلکہ انھوں نے بیسیوں ہیلی کاپٹروں کو اپنی رائفلوں کا نشانہ بنا کر ڈھیر کر دیا۔

فرانس اپنی طاقت کی نشے میں ایسے چور تھا کہ اسے N.L.F کے گوریلوں کی بلند عزم و ہمت کا ادراک نہیں تھا۔ جب بھی الجزائر کا مسئلہ حل کی طرف توجہ دلائی جاتی اس کو اپنا داخلی معاملہ قرار دے کر کسی کی رائے کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ اس زمانہ میں گئی مالٹ (Guy Mallet) فرانس کا وزیر اعظم تھا جس کے نزدیک الجزائر کا مسئلہ حل کرنے کے لئے سب سے پہلے جنگ بندی ضروری تھی اس کے بعد انتخابات اور آخری مستقبل کے متعلق بات چیت۔ N.L.F کے لیے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

یہ شرائط ناقابل قبول نہیں تھے۔ جنرل ڈیگال جب برسرِ اقتدار آئے تو ابتدا میں وہ بھی اس پالیسی سے انحراف نہیں کر سکتے تھے لیکن مسئلہ کی نزاکت اور حق آزادی کی بنیادی اہمیت کا انھیں . . پوری طرح احساس تھا۔ جیسے جیسے ڈیگال کے قدم مضبوط ہوتے گئے تو مسئلہ الجزائر حل کی طرف انھوں نے عملی اقدام کیا۔

الجزائر کی جنگ آزادی نے اپنی عمر کے ایک سو بتیس سال (132) طے کر لیے تھے جب 19 مارچ 1962ء کو جنگ بندی کے معاہدہ پر دستخط ہوئے اور یہ طے کیا گیا کہ 2 جولائی 1962ء کو الجزائر کے عوام استصواب عامہ کے ذریعہ اپنی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ استصواب میں آبادی کے 99 فیصد نے آزادی حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور 3 جولائی 1962ء کو دنیا کے نقشہ پر جمہوریہ الجزائر کی آزاد مملکت اُبھری چونکہ جنرل ڈیگال نے مجبور ہو کر حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے الجزائر کے باشندوں کے حق آزادی کو تسلیم کیا۔ الجزائر کی آزاد مملکت کی نویدِ سحر کئی ہزار ماؤں، بہنوں، بھائیوں اور بچوں و بوڑھوں کی عظیم اور فقید المثال قربانی کے بعد طلوع ہوئی، کہ جس کی وجہ سے آج الجزائر کے باشندے آزاد اور باوقار حیثیت کے مالک ہیں۔

فرانز فینن (20 جولائی 1925ء۔ 6 دسمبر 1961ء) ایک مارکسی دانشور اور انقلابی تھے، مظلوم سیاہ فام ہونے کے باوجود فینن انتہائی تعلیم یافتہ تھے، اور فرانس کی سامراجیت کا شکار تھے۔ فینن کی سیاست کا آغاز نسل پرستی کے خلاف ان کے غصے اور ردعمل سے ہوا جو علیحدگی (سیاہ فام نسل پرستی و قوم پرستی) کی حدوں کو چھونے لگا تھا۔ مگر فینن پر اپنی جدوجہد کے ذریعے بنی نوع انسان کی عالم گیریت کا انکشاف ہوا۔ مزاحمت کے عمل میں شریک ہونے سے ہی وہ معاشرتی صداقتوں کے ادراک اور سیاسی جدوجہد میں نئی نسل سے بلند ہوئے۔

1960ء کی دہائی کے آغاز میں الجزائر میں فرانسیسی سامراج کے خلاف ایک جدوجہد جاری تھی۔ افریقہ کی آزادی و اتحاد کے علم بردار، بائیں بازو کے سیاہ فام دانشور فرانز فینن الجزائر کے مجاہدین کی مدد کے لیے وہاں موجود تھے۔ یہ وہ دور تھا جب فینن اپنی معروف کتاب "افتادگانِ خاک" (the wretched of the earth) لکھ رہے تھے۔ اس میں تیسری دنیا کے مظلوم، مقہور، پسماندہ اور انسانی حقوق سے محروم انسانوں اور معاشروں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ کتاب نوآبادیاتی نظام اور قوم پرستی کے خلاف نفسیاتی اور مارکسی نکتہ نظر سے کھڑا کیا گیا ایک شاندار مقدمہ ہے۔ کتاب کا زبردست پیش لفظ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

معروف دانشور سارتر نے لکھا۔The Wretched of the Earth کا اردو ترجمہ مارچ 1969ء میں محمد پرویز اور سجاد باقر رضوی نے "افتادگانِ خاک" کے نام سے کیا۔

پیش لفظ میں سارتر لکھتے ہیں کہ اگر دنیا کی آبادی دو ارب ہے تو ڈیڑھ ارب دیسی یعنی محکوم و مظلوم اور استحصالی طبقہ ہے جو کوئی حق نہیں رکھتا۔ البتہ فریضے سب ان کے ذمہ ہیں۔ باقی آدھا ارب طبقہ نو آبادیاتی نظام کے تحت حاکم اور طاقتور طبقہ ہے۔ جن کے قبضے میں تمام حقوق ہیں۔ اور کوئی فرض ان پر لاگو نہیں ہوتا۔

> "نو آبادیاتی صورتِ حال، فطری اور منطقی صورتِ حال نہیں ہے۔ یہ از خود کسی قابل فہم فطری قانون کے تحت رونما نہیں ہوتی۔ ہر چند اس کی رونمائی تاریخ کے ایک خاص لمحے میں ہوتی ہے، مگر تاریخ کا یہ لمحہ کسی الہامی حکم یا فطری طاقتوں کے اپنے قوانین کی "پیداوار" نہیں ہوتا۔ اسے "پیدا" کیا جاتا اور تشکیل دیا جاتا ہے۔ چوں کہ "پیدا" کیا جاتا ہے، اس لیے مخصوص مقاصد کے حصول کو سامنے رکھا جاتا ہے، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ یہ انسانوں کے مخصوص گروہ کے ہاتھوں مخصوص مقاصد کی خاطر برپا ہونے والی صورتِ حال ہے۔ اس گروہ کو نو آبادکار نام دیا گیا ہے"(3)

نو آبادیاتی صورت حال دو دنیاؤں کو تشکیل دیتی ہے۔ ایک نو آبادکار کی دنیا اور دوسری نو آبادیاتی یعنی مقامی باشندوں کی دنیا اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہیں۔ فرانز فینن کا کہنا ہے کہ یہ ضد کسی بڑی اکائی کو پیدا کرنے کے لیے نہیں ہوتی۔ یہ دونوں ارسطالیسی منطق کے تحت ایک دوسرے کو خارج کرنے کے اصول پر قایم رہتی ہیں۔ ان میں کوئی قدر مشترک دریافت کرنا ممکن نہیں۔

نو آبادکار مغربی دانشوروں نے مخصوص نظریات قائم کر کے محکوم طبقے کو ایک خاص ڈگر پر چلایا ان کے ذہنی و فکری خیالات کو اپنی تہذیب کی بھٹی میں پگھلا کر من چاہا موڑ دیا۔ اس منظر نامہ پر نئی نسل کے ادیبوں اور شاعروں نے ان حقائق کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی کہ ہماری اقدار اور ان کے بنیادی صحیح حقائق ایک دوسرے سے تضاد رکھتے ہیں۔ انہوں نے مسائل کو ایک نئے انداز میں دیکھا اور پرکھا۔ فرانز فینن ان میں سے ایک اہم دانش ور ہیں۔ انہوں نے مغربی دانشوروں کی انسان پسندی کو دھوکہ قرار دیا اور نسلی امتیازات کا بھانڈا پھوڑا۔ دوسری جنگ عظیم سے قبل تک استعمار کاروں

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

نے معاشرتی اور طبقاتی کشمکش کی بے اطمینانی کے تسلسل کو کسی قابل نہ گردانا اور مستقبل کے سہانے خواب دکھا کر ہر بغاوت کو کچل دینے میں کامیاب رہے۔ 1960ء میں جب ہر طرف مشینی دور کی ابتدا ہوئی۔ یورپ میں نو آبادیاتی نظام کی جڑیں کٹنے میں دشواری بالکل نہ پیش آئی۔

تیسری دنیا سے فرانز فینن ایک مضبوط آواز بن کر ابھرا۔ جس نے پسماندہ ممالک کے باسیوں کو متحد ہو جانے کا درس دیا۔ یورپ کی استعماریت اور چالوں کو منظر عام پر لانا اس کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

فینن نے "افتادگان خاک" میں اپنے بنیادی نظریات کے باعث مندرجہ ذیل حقائق کا پردہ چاک کیا۔

- دنیا میں غلامی کے باوجود جھوٹی آزادی کا چربہ دیا گیا۔
- مکمل آزادی کے باوجود سامراجی تشدد کا خدشہ قائم رہا۔
- "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی حکمت عملی سے کھوکھلا بورژوا طبقہ وجود میں آیا۔
- نو آبادکاروں کو بسا کر ان کا استحصال جاری رکھا۔
- طبقاتی اور نسلی امتیازات قائم کیے۔

فینن کے مطابق مروجہ نو آبادیاتی نظام تیسری دنیا کے اتحاد بالخصوص کسان اور استعمار زدہ عوام کے اتحاد سے ممکن ہے۔ وہ اپنی قوم کو حوصلہ اور جرات دیتے ہوئے کہتا ہے۔

> "یورپ نے ہمارے براعظموں پر اپنا پنجہ گاڑ رکھا ہے ہمیں اس کی انگلیاں اس وقت تک چھیلتے رہنا چاہئے۔ جب تک کہ وہ ہمیں چھوڑ تا نہیں"(4)

انقلابی مزاج کی گرمی سے قطع نظر خالصتاً انقلابی جذبے سے لبریز ہو کر وہ ایک مخصوص صورت حال کی وضاحت کرتا ہے۔ تشدد اور استعمار سے نظر چرا کر نہیں بلکہ اس کے خلاف آواز بلند کر کے وہ لوگوں میں ایک نئی لہر دوڑاتا ہے۔ نو آبادیاتی نظام کے تحت نسل اور قوم پرستی کی آگ کو جبر و تشدد کے ذریعے ہوا دی جاتی ہے۔

اقبال احمد کنفرنٹنگ ایمپائر (confronting empire) کے پہلے طویل انٹرویو میں "افتادگانِ خاک" کے بارے میں کہتے ہیں:

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"یہ زور دیتی ہے مزاحمت کی اہمیت پر، اپنے اندر اور دوسروں میں انسانیت کی تلاش کی
جدوجہد پر، اجتماعی خودی میں مکمل طور پر آجانے پر"(5)

فرانز فینن "افتادگانِ خاک" نو آبادیاتی نظام کے بارے میں کہتے ہیں کہ نو آبادکار کی دنیا، مقامی باشندوں کی دنیا کو خارج کرنے کے اصول پر قائم رہتی ہے۔ نو آبادکار اپنی شخصیت، اپنی ثقافت، اپنے علمی ورثے، اپنے سیاسی نظریات، اپنے فنون کے بارے میں جو آرا پھیلاتا ہے، وہ نو آبادیاتی دنیا کے افراد کی شخصیت، ثقافت، علم اور فنون کے متعلق موجود آرا کے متضاد اور انھیں بے دخل کرنے والی ہوتی ہیں۔ زندگی میں بقا اور حاکمیت کے لیے اقتداری حیثیت کا مالک ہونا ضروری ہے اور نو آبادیاتی دنیا اس سے بری طرح محروم ہوتی ہے۔ نو آبادکار محکوم و مظلوم طبقے کو کئی دنیاؤں میں تقسیم رکھتا ہے۔ نو آبادکار اس تقسیم کے ذریعے اپنے اختیار کا مظاہرہ ہی نہیں کرتا، اس تقسیم کے نتیجے میں اپنے اختیار کو بڑھاتا بھی ہے۔ یہ تقسیم بہ یک وقت طبعی اور ذہنی کے ساتھ ساتھ نفسیاتی بھی ہوتی ہے۔

نو آبادیاتی باشندوں کی دنیا ان کی اپنی دنیا نہیں ہوتی، انھیں اپنی 'دنیا' پر کوئی تصرف اور اختیار نہیں ہوتا، نہ اس دنیا کے حقیقی، عملی معاملات پر اور نہ اس دنیا کے تصور اور اس کے نظام اقدار پر۔ وہ اپنی ہی دنیا میں اجنبی، اور اس سے 'باہر' ہوتے ہیں۔ غضب یہ ہے کہ نو آبادیاتی باشندے کو نو آبادکار جو تصور ذات دیتا ہے وہ اسے بالعموم قبول کرتا اور اس کے مطابق جینا شروع کر دیتا ہے اور نو آبادیاتی دنیا میں جو کردار اسے ادا کرنے کے لیے کہا جاتا ہے، وہ اسے عموماً تسلیم کر لیتا ہے۔ فرانز فینن اور ایڈورڈ سعید دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ نو آبادیاتی اقوام، نو آبادکار کے دیے گئے تصور ذات اور کردار کو تسلیم کر لیتی ہیں اور اس کی وجہ سے نو آبادیاتی نظام قائم رہتا ہے۔ چناں چہ یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہیں کہ نو آبادیاتی نظام کی برقراری میں خود مقامی باشندوں کا انفعالی کردار معاونت کرتا ہے۔

نو آبادیاتی باشندوں کو ایک ایسا "تصور ذات" دیا جاتا ہے، جو نو آبادیاتی نظام کے قیام و استحکام میں مدد کرتا ہے۔ فرانز فینن کا کہنا ہے کہ نو آبادیاتی باشندے کے لیے جو اصطلاحیں نو آبادکار استعمال کرتا ہے، وہ حیوانیات کی اصطلاحیں ہیں۔ حیوان کہنے کا مطلب مقامی باشندوں کو انسانی درجے سے گرانا ہے۔ نو آبادکار خود کو انسانی درجہ پر فائز قرار دیتا اور انسانی پیمانے کی مثال کے طور پر پیش کرتا ہے۔ نو آبادیاتی اقوام کو کاہل اور حیوان باور کرا کے اوّلاً یہ بات ثابت کی جاتی ہے کہ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

انھیں ذہنی تحرک اور جست جو سے کوئی واسطہ نہیں، افکار و علوم کی تخلیق سے انھیں کوئی دل چسپی نہیں۔ مغربی دانشوروں کا حاکم طبقہ اپنے اقتدار کے مراکز، پولیس اور عدالت کے نظام کو جائز ثابت کرتا ہے کہ کاہلوں اور حیوانوں کو قابو میں رکھنے کے لیے پولیس کا جابرانہ اور عدالت کا سفاکانہ نظام ناگزیر ہے۔ نو آبادیاتی باشندے بالعموم اپنے کاہل اور حیوان ہونے کا یقین کر لیتے ہیں۔ اس یقین کو پیدا کرنے کے لیے نو آبادکار کئی نفسیاتی حربے بروئے کار لاتا ہے۔ اور سب سے بڑا حربہ اپنی مقتدر حیثیت کا مختلف طریقوں اور زاویوں سے مظاہرہ ہے۔

روایت سے وابستہ رہ کر ہی الجزائر کے عوام فرانس اور اس کی ثقافتی اجارہ داری کو مسترد کر سکتے تھے۔ فرانسیسی قبضے کے خلاف الجزائر کی جہد آزادی سے پہلے اور بعد ریڈیو کے استعمال کے ضمن میں بھی انہوں نے ویسا ہی کیا اور بتایا کہ الجزائر کے عوام قابضین کے زیر اثر چلنے والے ریڈیو کو جابروں کا وسیلہ سمجھتے تھے لیکن جدوجہد میں شامل ہوئے تو ریڈیو کو تحریک آزادی کا ایک ہتھیار سمجھنے لگے۔ ٹیکنالوجی، سماجی رسوم، نو آبادیاتی نظام اور جبر کی ہر علامت سے تعلق جدوجہد میں شرکت کے بعد بدل جاتا ہے۔ فینن نے تشدد کے نکتے کی وضاحت کی ہے۔ تشدد کرنے کی ترغیب نہیں دی۔ "افتادگانِ خاک" میں انہوں نے تشدد کے متعلق باب میں جو نکتہ بیان کیا ہے اس پر اقبال احمد کی رائے ہے۔

> "امریکا اور یورپ کے تبصرہ نگاروں نے اسے نہیں سمجھا۔ اس بنا پر انہوں نے اسے غلط رنگ دیا۔ اسے مسخ کر دیا۔ انہوں نے اسے تشدد کی حمایت اور تعریف قرار دیا۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں تھا اس میں صرف مزاحمت کی اہمیت بیان کی گئی اور اسے اپنی اور دوسروں کی انسانیت کی پہچان کا وسیلہ قرار دیا اور بتایا گیا تھا کہ اجتماعیت میں ہی انسان کی ذات کا بھرپور اظہار ہو پاتا ہے"(6)

وہ مزید کہتے ہیں میں جب طلبا کو نو آبادیاتی نظام کے خاتمے کے بعد کی صورت حال پر پڑھا رہا ہوتا ہوں تو انہیں یہ بات پڑھنے کی تلقین کرتا ہوں۔ فینن چالیس برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ کاش وہ زندہ رہتے۔ (اقبال احمد کے انٹرویو سے اقتباس)

فرانز فینن الجزائر کی تحریک آزادی کے اہم ترین دانشور ہیں۔ انہیں خون کا سرطان تھا۔ اس بیماری کی تشخیص ہوتے ہی وہ لکھنے لکھانے میں شدت سے مصروف ہو گئے۔ ان کی کتاب "افتادگانِ خاک" نہایت تیزی سے لکھی گئی۔ فینن

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

امریکا میں نسل پرستی کے خلاف جدوجہد کرنے والے اہم دانشور ہیں۔ ان کے سیاسی شعور کی اساس نسلی امتیازات کے ملبے سے تعمیر ہوئی۔ یہ نسل اور نسل پرستی کا شعور تھا جو انہیں ان معاشروں سے ملا جہاں سفید فام لوگوں کا غلبہ تھا۔ یہیں ان کی سیاسی تربیت ہوئی۔

معاشرتی صداقتوں کا ادراک اور سیاسی جدوجہد نے انہیں یہ باور کرایا کہ معاشرت اور انسانی رویے کا تعین کرنے کا بنیادی معیار نسل سے نہیں بلکہ طبقہ ہے۔ فینن نے لکھا ہے کہ کچلے ہوئے عوام کا اشتراک و اتحاد اُن کو خود سے آشنا کرنے کا وسیلہ بن سکتا ہے۔ اسی ذریعے سے اپنی طاقت اور انسانیت کا انکشاف ہوتا ہے۔ اگر آپ مزاحمت نہیں کرتے، جدوجہد نہیں کرتے تو اپنا آپ بھی دریافت نہیں کر سکتے۔ کسی دوسرے کا تو ذکر ہی کیا۔ طبقہ اور طبقاتی تعلق معاشروں کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

فرانز فینن دنیا کے مختلف علاقوں میں وقوع پزیر ہونے والی نو آبادیاتی صورتحال کو ان سماجی اور ثقافتی رشتوں کے تناظر میں پیش کرتے ہیں۔ جو نو آبادکار اور استعمار زدہ مقامی باشندوں کے مابین پروان چڑھتے ہیں۔ نو آبادکار اور استعمار زدہ کے درمیان دوستی اور دشمنی کی بیشتر صورتیں ان مخصوص مفادات کی خامی ہوتی ہیں جن کی خاطر نو آبادکار نے مقامی آبادی پر اپنا تسلط قائم کیا ہوتا ہے۔ طاقتور طبقہ اپنے مفادات کے مکمل حصول کے لئے ایسے کلامیے اور بیانیے وضع کرتا رہتا ہے۔ جو نو آبادیوں میں اس کے قیام کا منطقی جواز فراہم کرتے ہیں۔ یہی بیانیے اور کلامیے ایک پر اسرار قوت کی طرح مقامی آبادی کی روح میں سرایت کر جاتے ہیں۔ اور ان کے اثرات سے باہر نکلنے کے لیے صدیاں درکار ہوتی ہیں۔

> "نو آبادیاتی صورتِ حال کی اصل جدت وہ اقتصادی حقیقت ہے، جس میں اتنی شدید معاشی ناہمواری اور طرزِ زندگی کا اتنا بڑا فرق ہوتا ہے کہ انسانی صورتِ حال کی اس قدر پردہ پوشی کسی اور طریقے سے کبھی نہیں ہوتی۔۔۔۔ نو آبادیات میں اقتصادیات کا زیریں نظام بھی ایک بالائی نظام ہوتا ہے۔ سبب ہی نتیجہ ہوتا ہے آپ دولت مند ہیں اس لیے آپ سفید فام ہیں، آپ سفید فارم ہیں اس لیے آپ دولت مند ہیں"(7)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"افتادگانِ خاک" میں فرانز فینن ایسے ہی بیانیوں اور کلامیوں کے راز کھولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے مطابق سماجی، ثقافتی، سیاسی، علمی، ادبی، معاشی اور تعلیمی سطح پر ہونے والی بہت سی تبدیلیاں جو مقامی باشندوں کے لیے انقلابی ہوتی ہیں، دراصل نو آبادکاروں کے اجارہ کو مستحکم کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

فرانز فینن کی فکر کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ محض افریقہ میں قائم نو آبادیاتی نظام کو اور اس کی جڑوں کو نشان زد نہیں کرتا، بلکہ استعماری نظام کے مقابل ان کے نقصانات کے خدوخال بھی سامنے لاتا ہے۔ فینن کی فکر اس لیے حقیقت کے قریب نظر آتی ہے کہ انہوں نے ان مدارج کو بیان کیا ہے جنہیں طے کرنے کے بعد استحصالی طبقہ بالآخر غلامی کا طوق اتار پھینکنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ فینن کی فکری بصیرتوں کی روشنی میں نو آبادیاتی عہد کے ان کرداروں کا اصل چہرہ بھی قاری کے سامنے آجاتا ہے جو مقامی باشندوں کو آزادی دلانے کی آڑ میں اپنے ذاتی مفادات کے حصول میں مصروف ہوتے ہیں۔

ایک نفسیات دان اور اپنی تہذیب و ثقافت کے نباض کی حیثیت سے فینن اولین مقام رکھتے ہیں۔ ان کی مشہور زمانہ تصنیف The Wretched of the Earth جو ان کی وفات سے کچھ عرصہ قبل 1961ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب نے اپنی اشاعت کے بعد فلسفہ، نفسیات، سماجیات اور سیاسیات پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ سارتر اس کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے کہ:

> "اینگلس کے بعد فینن پہلا آدمی ہے جس نے تاریخ کی حرکت کو دن کی واضح روشنی بخشی ہے" (8)

فینن کے بقول نو آبادیاتی دنیا میں سارا زور اس بات پر صرف کر دیا جاتا ہے کہ آیا آپ کسی ایک نسل / نوع سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں۔ ایک خاص نوع، نسل، رنگ اور مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد وسائل پر اجارے اور اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کا پورا حق حاصل ہوتا ہے جب کہ دوسری نسل نوع سے تعلق رکھنے والے افراد کو محض اتنے وسائل ہی فراہم کیے جاتے ہیں جن کا تعین پہلا، یعنی استعمار کا طبقہ کرتا ہے۔ فینن کہتے ہیں اس طرح کی صورت حال نو آبادیاتی باشندوں کو ایک مسلسل احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتی ہے۔ طاقت ور طبقہ اپنے اور ان کے درمیان احسان مندی

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

کے جذبات مفاہمت کے ذریعے پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ ان دونوں کے درمیان پیدا ہونے والی دوری کا خاتمہ ہو جائے لیکن نو آبادکار اور مقامی باشندوں کے درمیان حائل تہذیبی اور ثقافتی بعد اس خلیج کو پاٹنے کی بجائے مزید گہرا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔

نسلی امتیاز پر تقسیم ہوئی یہ دنیا دیسی باشندے کے لیے ایک خاص نوع کی کشش رکھتی ہے۔ کشش اور گریز کا یہی تضاد دیسی باشندوں کو ہمہ وقت ایک ایسے اعصابی ہیجان میں مبتلا رکھتا ہے کہ انہیں ہر وقت مقامی تہذیب، ثقافت اور مذہب خطرے میں محسوس ہوتا ہے۔ اس کے اعصاب پر اتنے منفی اثرات مرتب کرتی ہے کہ وہ استعمار کار سے چھٹکارا حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس جیسا بننے کا خواب بھی دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ فینن کے بقول:

> "دیسی باشندہ وہ مظلوم انسان ہوتا ہے جس کا مستقل خواب یہ ہوتا ہے کہ وہ ظالم بن جائے، معاشرتی نظم و ضبط کی تمام علامتیں۔۔۔۔۔ پولیس، فوجی بیرکوں میں بگل کی آواز، فوجی پریڈ اور لہراتے جھنڈے۔۔۔۔ سب بیک وقت گھٹن پیدا کرنے والے، محرک دونوں ثابت ہوتے ہیں"(9)

نو آبادیات میں استعمار کاروں کے رائج کیے ہوئے قوانین سے لے کر ان کے اصلاحاتی ایجنڈے اور ادب پروری تک ہر چیز محض ذاتی فائدے کے لیے ہوتی ہے۔ استعمار کاروں کے ہاتھوں اپنی تہذیب، ثقافت، روایات اور اقدار کو گروی رکھوانے کے بعد مقامی باشندوں پر آہستہ آہستہ اپنی قومیت کا اصل مفہوم اور آزادی کے معنی واضح ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ فینن کے خیال میں قومیت کا یہی شعور مقامی باشندوں کو از سر نو مجتمع ہو کر جدوجہدِ آزادی پر آمادہ کرتا ہے۔ اس کے الفاظ میں:

> "عوام جو اپنے پیدائشی حقوق کھو چکتے ہیں، جو خانہ جنگی کے چھوٹے چھوٹے دائروں میں رہنے کے عادی ہو چکتے ہیں۔ اب مختلف علاقوں میں قوم کے چہرے کو صاف اور شفاف کرنے کے لیے متانت کی فضا میں آگے بڑھتے ہیں"(10)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

فینن نو آبادیاتی صورتحال میں، استعمار کاروں کی بربریت کا مقابلہ کرنے کے لیے، تشدد کو اس صورت میں ناگزیر قرار دیتا ہے جب کوئی اور چارہ باقی نہیں رہتا۔ استعمار کار مختلف قوانین اور طاقت کے بہیمانہ استعمال سے جب مقامی باشندوں کی عزتِ نفس کو قدم قدم پر مجروح کرتا ہے تو اس کے ذہن میں مقامی باشندوں کا تصور کسی جانور کے مماثل ہوتا ہے۔ استعمار کاروں کی وضع کردہ، نیگرو یا نیٹو جیسی اصطلاحیں اس مخصوص ذہنیت ہی کی عکاسی کرتی ہیں جس کے تحت وہ مقامی باشندوں کے ذہنی اور جسمانی استحصال کا حق اپنے پاس محفوظ کر لیتا ہے۔ پے در پے ٹھوکریں کھانے اور جانوروں سے بھی بدتر سلوک برداشت کرنے کے بعد دیسی باشندوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ وقت آنے پر استحصال کنندہ سے تہذیب و شائستگی سے پیش آئیں گے فینن کے خیال میں ذرا بھی قرین قیاس نہیں ہے۔ نو آبادیاتی صورتِ حال میں جدوجہدِ آزادی کے دوران کسی بھی طرف سے بھڑکنے والی تشدد کی کوئی چنگاری پورے سماج کو جلتے ہوئے جنگل میں تبدیل کر دیتی ہے۔ فینن نو آبادیاتی نظام کو ایک تشدد سے تعبیر کرتے ہوئے اس سے نجات کے لیے زیادہ برے تشدد کو ناگزیر قرار دیتا ہے۔

> "مقامی باشندہ جو اس لائحہ عمل کو بروئے کار لانے کا فیصلہ کرتا ہے اور اس کے لیے محرک قوت بنتا ہے۔ وہ ہمیشہ تشدد کے لیے تیار رہتا ہے۔ اسے پیدا ہوتے ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی تنگ دنیا کو جس میں قدم قدم پر بندشیں ہیں، محض بھرپور تشدد کے ذریعے ہی ہدف بنایا جا سکتا ہے" (11)

فینن ایک دانشور کی حیثیت سے نہ صرف مظلوم طبقہ کے حق میں آواز بلند کرتا ہے بلکہ ردِ استعماریت کے لیے مفید مشورے بھی دیتا ہے۔ مقامی مظلوم طبقے کی ذہنیت اور اس پر مغربی اثرات کو نشان زد کرتے ہوئے وہ ڈی کولونائزیشن (Decolonization) کے مختلف مدارج بیان کرتا ہے۔ جن کو مدِ نظر رکھ کر آزادی ملنے کے بعد استعمار زدہ معاشرہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں استحصالی طبقے کے علاوہ ان سیاسی جماعتوں اور سیاسی لیڈروں کے کردار کا تعین کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے جنھوں نے آزادی کے بعد ایک نئے ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہوتی ہے۔

> "اگر حکومت ملک کو اس جمود سے نکالنا اور اسے ترقی و ارتقا کی راہ پر ڈالنا چاہتی ہے تو اسے سب سے پہلے ایجنٹوں کے تجارتی حلقہ کو قومی ملکیت بنانا ہو گا۔۔۔۔۔ ایجنسیوں کی منڈی پر جو پہلے نو آبادکاروں کے تسلط میں تھی، اب قومی بورژوا کا

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

حملہ شروع ہوتا ہے اگر آپ ترقی کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو پہلے چند گھنٹوں میں ہی
اس حلقے کو قومی ملکیت بنانے کا فیصلہ کرنا ہو گا"(12)

فینن اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ آزادی کے بعد ایسا ادب تخلیق ہونا چاہیے جو نو آبادیاتی عہد کے اثرات زائل کر سکے۔ جس سے قومی تہذیب کا فروغ ممکن ہو۔ ادیب طبقہ ہی نو آزاد ملک کو اپنے ماضی کی سنہری تہذیب و ثقافت سے از سر نو منسلک کر سکتا ہے۔ جو استعمار کاروں کے ہاتھوں مسخ ہو چکی ہوں۔ وہ قومی تہذیب کی اہمیت پر زور دینے اور نو آباد کار کے بچھائے ہوئے منفی ثقافتی پہلوؤں کے جال سے بچنے کے تلقین کرتا ہے اور اپنی اصل ثقافتی جڑوں کی طرف مراجعت پر زور دیتا ہے۔ نو آبادیاتی عہد ایسا تاریک دور ہوتا ہے جس میں قومی دانش ور اور ادیب بیک وقت دو شناختوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ تخلیق کار کے فطری اظہار کی راہیں مسدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ فینن ان کو مشورہ دیتے ہیں:

"وہ استعمار زدہ شخص جو اپنے عوام کے لیے لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ ماضی کو مستقبل کی راہیں کھولنے کے لیے دعوت عمل کے طور پر اور رجائی انداز میں استعمال کرے۔۔۔۔۔ لہذا عوام کے ماضی کو کھودنے اور ایسے مربوط عناصر کی تلاش پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہیے جو مقامی تہذیب کو جھٹلانے اور نقصان پہنچانے والی استعماری کوششوں کا تریاق بن سکیں بلکہ ہمیں بھی مستقبل کی تعمیر کے لیے، اس زمین سے مضبوط اور آہنی ارادوں سے کام کرنا چاہیے"(13)

"افتادگانِ خاک" کے آخر میں فرانز فینن نے بحیثیت نفسیات دان نو آبادیاتی عہد میں لڑی جانے والی جنگوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ان نفسیاتی امراض پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے جو استعمار کار کے ذہنی اور جسمانی جبر کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ فینن کی فکر، نو آبادیاتی عہد میں وضع ہونے والے ان تمام سماجی، ثقافتی، سیاسی اور ادبی کلامیوں کی چھان پھٹک پر اصرار کرتی ہے جن کا مقصد مقامی باشندوں کو احساسِ کمتری کا شکار بنا کر اپنے اجارے کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرنا ہوتا ہے۔ ان کے الفاظ میں:

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"آیئے ہم یورپ کی نقالی ترک کرنے کا فیصلہ کر لیں۔ آیئے ہم اپنے بازو اور اپنے
ذہن ایک نئی سمت میں متحد کر لیں۔ آیئے ہم اس مکمل انسان کی تخلیق کریں جسے
یورپ احساس فتح مندی کے ساتھ جنم دینے میں ناکام رہا ہے"(14)

فینن مغربی نو آبادکاروں کی انھیں چیرہ دستیوں، بہیمانہ مظالم اور معاشی وسائل پر اجارے کی تدبیروں کو بے نقاب کرتے ہوئے محکوم قوموں کو اپنی تہذیبی و ثقافتی جڑوں کی بازیافت پر آمادہ کرتا ہے۔ فینن کے ہاں نو آبادیاتی فکر کا زیادہ حصہ الجیریائی عوام کی آزادی اور یورپی سامراج کے خاتمے کے خواب پر مشتمل ہے۔ وہ صرف فکری اور علمی طور پر ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی اس جدوجہد آزادی میں شریک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افکار پر اپنی ذات اور قومی تشخص کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ "افتادگانِ خاک" میں نو آبادیاتی صورت حال معروضیت پر مبنی ہے اور ردِ استعماریت پر بھی ہر حوالے سے گہری نظر ڈالی گئی ہے۔ اردو میں نو آبادیاتی مطالعہ کرنے والوں کے لیے فرانز فینن کی بصیرت یقیناً فکر و فن کے نئے دریچے وا کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

حوالہ جات

1۔ روزنامہ دنیا20فروری 2021ء تحریر عبدالحفیظ

2۔ قیوم راجا، آزادی کی تحریکیں کیسے کامیاب و ناکام ہوتی ہیں؟، نگارشات، مہمان تحریر، 18 اگست 2018ء

3۔ ناصر عباس نیر، نوآبادیاتی صورتِ حال کیا ہے؟، مطالعۂ خاص و فکر افروز، 03نومبر 2016ء

4۔ فرانز فینن، افتادگانِ خاک، فکشن ہاوس، لاہور، 2017ء ص12

5۔ احمد الیاس، حریت کے تین نشان، Danish.pk، 20اپریل 2018ء

6۔ اقبال احمد، کچھ فرانز فینن کے بارے میں، سپیشل فیچر، روزنامہ دنیا، 12 فروری 2018ء

7۔ فرانز فینن، افتادگانِ خاک، فکشن ہاوس، لاہور، 2017ء ص34

8۔ ایضاً، ص13

9۔ ایضاً، ص47

10۔ ایضاً، ص117

11۔ ایضاً، ص32

12۔ ایضاً، ص158

13۔ ایضاً، ص206

14۔ ایضاً، ص281